© rasailojaraid.com

انتقاد کے لئے
کتاب کے دو نسخے
آنا ضروری ہیں

انتقاد

پانچویں صدی ہجری سے قبل مسلمانوں کی تعلیمی اور علماء کی سماجی حیثیت

تاریخِ بغداد کی روشنی میں

مؤلفہ ڈاکٹر منیر الدین احمد، ورلاک، دیر اسلام۔ زورخ۔ ۱۹۶۸ء، قیمت درج نہیں ہے۔
صفحات ۲۹۰۔ کتاب خوبصورت اور کتابت و طباعت اعلیٰ ہے۔

مصنف کو جولائی ۱۹۶۷ء میں ہیمبرگ یونیورسٹی سے اس کتاب پر پی ایچ ڈی کی ڈگری دی گئی تھی۔ کتاب کا نام بتا رہا ہے کہ اس میں پانچویں صدی ہجری سے قبل مسلمانوں کی تعلیم و تربیت اور علماء کی معاشرتی حیثیت سے بحث کی گئی ہے اور اس کتاب کی بنیاد حافظ ابوبکر احمد بن علی بن الخطیب البغدادی کی کتاب تاریخ بغداد پر رکھی گئی ہے۔ جو ایک قسم کی قاموس المشاہیر ہے اور ۱۹۳۱ء میں قاہرہ اور بغداد سے ۱۴ جلدوں میں طبع ہوئی تھی۔ مصنف نے کتاب کے تعارف میں بالکل صحیح کہا ہے کہ یہ "خزینۂ معلومات" ہے جس میں ۷۸۳۱ ایسے علماء کے سوانح حیات محفوظ ہیں جن کا شہر بغداد سے کچھ نہ کچھ تعلق رہا ہے اور اسلامی تاریخ کی ابتدائی پانچ صدیوں میں اپنے علمی کارناموں کی وجہ سے شہرت کے مالک رہے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ پانچ صد سالہ مدت اسلامی تاریخ میں اپنی اصل سے سب سے زیادہ قریب، سب سے زیادہ کامیاب اور انتہائی اہم مدت ہے۔ علومِ اسلامیہ کے حاملین، علمائے آداب و فنون، ائمۂ مجتہدین اور شہرۂ آفاق مسلم مفکرین اسی دور میں مشہور عالم ہوئے۔ نیز عظیم الشان سیاسی اور ثقافتی کامیابیاں سب اسی دور سے تعلق رکھتی ہیں۔

ان حالات کے پیشِ نظر یہ بالکل ناقابلِ فہم حقیقت ہے کہ — مصنف کی طرح — یہ کہا جائے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مدارس کا رواج پانچویں صدی ہجری کے بعد وقوع میں آیا اور یہ کہ مدرسہ کوئی اختراع نہیں تھا بلکہ در
اس تعلیمی نظام کی ترقی یافتہ صورت ہے جو نظام مدرسہ کے قیام سے چار سو سال قبل تک رائج رہا۔ صفحہ
غرض یہ کہنا بظاہر حقیقت سے بعید ہے کہ تاریخ اسلام میں مدرسہ کے رواج کی ابتداء بغداد کے مدرسہ نظا
کے قیام کی مرہونِ منت ہے۔ اس لحاظ سے اس کے قیام سے قبل کے سارے تعلیمی نظام کو "مدر۔۔
قبل کا دور" کہا جائے گا (صفحہ ۵)؟ جیسا کہ زیرِ نظر کتاب کے مؤلف ڈاکٹر منیر احمد بمبیں باور کرانا چ
ہیں۔ اس تاریخی واقعہ سے انکار کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں کہ حضرات صحابہ اپنے نئے مسلمان ہونے
ساتھیوں کو قرآن کریم پڑھانے پر مامور رہتے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی ہمشیرہ کو ایک صحابی سے سورۂ طٰہٰ
ابتدائی آیات پڑھتے ہوئے سُن لیا تھا۔ یہ ایک ایسا واقعہ تھا جو ان کے قلب کو نورِ اسلام سے
کرنے کا سبب بن گیا۔ مدینہ میں مساجد کی تعمیر سے قبل بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمار
اسیدؓ صحابی کو یثرب میں انصار کو قرآن کریم اور اسلامی اصول و عقائد سکھانے کے لئے بھیجا تھا
مساجد کے علاوہ مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ، فسطاط، دمشق اور دوسرے شہروں اور مقامات پر
اہلِ علم صحابہ اور تابعین کی رہائش گاہیں دیکھتے دیکھتے علوم و فنون کا مرکز بن گئیں"۔ پہلی صدی ہ
ہی میں ایک شخص نے تدریس حدیث کے لئے ایک نشست گاہ بنوائی اور اس مقصد کے لئے انہوں
درختوں کے چالیس تنے خریدے اور ہر تنے کی ایک دینار قیمت ادا کی" (ابن سعد جلد ۷۔ ۱۰۹
الازہر کی جامع مسجد ۳۶۱ھ مطابق ۹۷۲ء میں مکمل ہوئی (ٹریٹن۔ ب ۹۸) اور ۳۷۸ھ مطابق ۸
میں وزیر یعقوب ابن کلیس نے ۳۵ تنخواہ پانے والے ماہرین قانون کو قانون کی تعلیم دینے کے لئے
کیا، اور ان کے قیام کے لئے الازہر کے قریب ہی ایک رہائش گاہ بھی بنوائی (ٹریٹن صفحہ ۱۰۱)۔ مختصر
سمجھنا بڑی غلطی ہوگی کہ مدرسہ نظامیہ سے قبل کوئی مدرسہ موجود نہ تھا، یا یہ کہ مدرسہ کی اصطلاح
موجودہ مفہوم میں نظامیہ سے پہلے مستعمل نہ تھی۔ مدرسہ نظامیہ کے قیام سے مدتوں پہلے ہم دیکھتے ہیں کہ
(متوفی ۲۴۶ھ مطابق ۸۶۰ء) کے ایک شعر میں لفظ مدارس استعمال ہوا ہے، جو مدرسہ کی جمع ہے

مدارس آیات خلت من تلاوة   و منزل وحی مقفر العرصات

ترجمہ: آیاتِ قرآنی کے مدرسے جو تلاوت سے خالی ہو چکے ہیں، اور وہ منزل وحی جس کے دالا
ہو چکے ہیں۔۔۔ اس شعر کے سیاق و سباق میں درس و تدریس کے مرکزوں کا ذکر ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

س کے علاوہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ طالبانِ علم کی ایک بڑی تعداد صحابہ اور ان کے جانشینوں
د جمع ہوگئی تھی جو مساجد کے علاوہ اپنی قیام گاہوں پر بھی تعلیم و تدریس کی خدمات انجام دیتے تھے۔
، کی قیام گاہیں علم و معرفت کے بڑے بڑے مرکز شمار ہوتے تھے۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کا حلقۂ تلامذہ بھی وسیع تھا، یہ حلقہ بالکل اُسی آن بان کا
تھا جو بادشاہوں کا طرۂ امتیاز ہے (ذہبی: تاریخ ذہبی جلد اصفحہ ۲۲)۔ حضرت معاذ بن جبل ۲ ۳ درکے
کے ساتھ علیہ میں اپنے شاگردوں کو احادیثِ نبوی سنایا کرتے تھے (امام احمد بن حنبل جلد ۵
۲۲۸)۔ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کوفہ کی ایک مسجد میں شائق طلبہ کی ایک جماعت کو علم
، پر لیکچر دیا کرتے تھے (ابن سعد: طبقات، جلد سوم صفحہ ۲۳)۔ حضرت ابی بن کعب ان کثیر صحابہ
ے ایک تھے جو مدینہ کی مسجد میں طلبہ کو حدیث پڑھایا کرتے تھے (حوالہ مذکورہ)۔ بیان کیا جاتا ہے
، ایک صحابی حدیث بیان فرما رہے تھے تو طلبہ کی اتنی بڑی تعداد ان کے گرد جمع ہوگئی کہ ان کو اپنا
یاری رکھنے کے لئے ایک مکان کی چھت پر چڑھنا پڑا (حوالہ مذکورہ ۵ صفحہ ۲۱۳)۔ اسلامی قانون
نی مدرسۂ فکر کے بانی امام ابو حنیفہ بیان کرتے ہیں کہ جب وہ حج کرنے کے تھے اپنے والد
راہ مکہ مکرمہ گئے تو انھوں نے وہاں ایک بڑے مجمع کو دیکھا جو بڑے غور سے ایک صحابی کی باتیں
ں محو تھا، اور یہ صحابی لوگوں کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث سنا رہے تھے۔

اگرچہ مصنف کی یہ رائے کافی حد تک درست ہے کہ "جاہلیت کی اصطلاح کے جواز کے لئے غیر مہذب
وحشی حرکتوں کے وجود کو قرار دینا حقیقت پر مبنی نہیں" (صفحہ ۲۵) پھر بھی یہ بات ذہن نشین کر لینی
ئے کہ عرب قبل الاسلام پر لفظ جاہلیت کا اطلاق اس بات کی وضاحت کے لئے نہیں ہوتا کہ وہ لوگ
بڑھے لکھے، وحشی یا غیر مہذب تھے، بلکہ یہ واضح کرنے کے لئے ہوتا ہے کہ وہ اپنی جہالت اور
گھمنڈ کی وجہ سے بعض غلط رسوم و عادات پر مُصر تھے اور سارا عرب اس روایت کا پابند تھا۔

فاضل مصنف کی اس رائے پر اگرچہ بحث کی گنجائش نہیں کہ "علم قراءت نے فی الواقعہ بعد میں
کی" (صفحہ ۳۰) لیکن یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اس علم کی بنیاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ
ے طریقۂ تلاوت پر تھی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ ہی کی تلاوت اور تلفظ کی مماثلت و
بقت میں اُسے ترقی دی گئی اور اس کے اُصول و قواعد منضبط ہوئے۔ تجوید، تفسیر اور مطالعۂ قرآن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے متعلق دوسرے وہ تمام علوم جو پیچھے بعد دیگرے منصۂ ظہور پر آئے بالقوہ اس زمانے میں موجود تھے۔
لئے کہ صحابہ چونکہ عرب تھے وہ قرآن کریم کے اسالیبِ بیان اور اس کے ٹکسالی و محاوراتی تراکیب کے م
معانی کو بخوبی سمجھتے تھے اور پوری صحت و درستگی کے ساتھ اس کا تلفظ بھی کرتے تھے، جس طرح جاہلی
علوم عربیہ مثلاً نحو، خطابت اور عروض سے ناواقف ہوتے ہوئے بھی فصیح و بلیغ شعر نظم کرتے تھے۔ حقیقت
یہ ہے کہ اُن غیر عرب مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے جو عربی زبان اور اس کے جملہ لوازمات سے ناآشنا ہو
تھے ان تمام اسلامی علوم کو عربوں کے رواج اور ان کے عمل کے مطابق ترقی دی گئی۔ مصنف نے کا
حد تک اس زیرِ بحث مسئلہ کی حمایت کی ہے اور کہا ہے کہ "قرآن کے زیادہ مشکل حصوں کی تشریح خود رسول
(صلی اللہ علیہ وسلم) سے مروی ہے ...." (صفحہ ۲۰)۔

موجودہ زمانے میں یہ خیال عام طور پر پایا جاتا ہے کہ عصرِ حاضر کی نسل کو اس کے آباء و اجداد سے ب
ثابت کیا جائے، منفعت کے لحاظ سے یہ ایک بالکل لاحاصل تصور ہے۔ غالباً اسی تصور کو ذہن میں رکھ
ہوئے مصنف نے بھی لکھا ہے "ماہرین علم فلسفہ و خطابت اپنے اجداد کی نسبت قرآن کو سمجھنے کی زیادہ
رکھتے تھے" (صفحہ ۲۵)۔ لیقین و ایمان کے نقطۂ نظر سے جو علم کے واجبی لوازمات میں سے ہیں اگلے لوگ
بعد کے لوگوں پر یقیناً شرف و فضیلت رکھتے ہیں۔ یہ مفروضہ کہ ہر نسل اپنے بعد میں آنے والی نسل پر اک
شرف رکھتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم الخ کے
زمانۂ نبوی سے قرب کی وجہ سے بھی حق بجانب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک نسل اور اس کی جانشین دوسری
کے درمیان کوئی تقابل و موازنہ ہو ہی نہیں سکتا۔ ہماری ثقافتی عمارت کی تمام تر بنیاد ہمارے آباء و اجداد کے ع
معارف پر قائم ہے اور اس عمارت کی درجہ بدرجہ ترقی کو اس کی اصل بنیاد سے ہٹ کر محض زمانے کی روشن
دیکھا نہیں جا سکتا۔

مصنف نے آگے چل کر لکھا ہے: "کہا جاتا ہے کہ ابن جریج وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے حدیثیں جمع ک
(صفحہ ۳)۔ مؤلف کے بیان کردہ واقعے کے متعلق دو باتیں قابلِ غور ہیں۔ اوّل یہ کہ وہ ابنِ جریج کو حدیث
کا پہلا جامع کہتے ہیں، دوم یہ کہ ابن جریج واقعی حدیث کے جامع ہیں۔ اس خبر کی بنیاد بغدادی کے متن
ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابنِ جریج اور ابن ابی عروبہ سب سے پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے کتابیں تص
کیں (تاریخ بغداد جلد دہم صفحہ ۴۰۱)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اخبرنا عبداللہ ابن احمد ابن حنبل — اجازۃ — قال: قلت لأبی: من أول من صنف الکتب؟ قال: ابن جریج و ابن ابی عروبۃ۔ (بظاہر کتابوں کی تصنیف سے احادیث کا جمع کرنا سمجھ لیا گیا ہے، حالانکہ ان دنوں دوسرے موضوعات پر بھی کتابیں مرتب کی جارہی تھیں)۔ یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ ابنِ شہاب الزہری (متوفی ۱۲۴ھ / ۷۴۲ء) کو بھی حدیث کا پہلا جامع بتایا جاتا ہے۔ عبداللہ بن عمرو بن حزم تابعی نے بھی احادیث کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا۔

غالباً گولڈ زیہر، گئوم اور دوسرے مستشرقین کے نظریات کے زیرِ اثر مؤلف نے بانگِ دہل یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ”چاروں پہلے خلفاء اور اُمویوں نے فقہ کو ترقی دے کر ایک باقاعدہ علم کی شکل اختیار کرنے کا بمشکل ہی کچھ موقعہ دیا“ (صفحہ ۴۸)۔ مصنف نے آگے چل کر لکھا ہے کہ ”چاروں سُنّی فکری مسلک عباسیوں کے دَور میں پیدا ہوئے“۔ یہ لکھتے ہوئے شاید وہ بھول گئے کہ ان تمام مسلکوں کی بنیاد حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے تلامذہ کے ان فیصلوں پر ہے جو اُمویوں کے ابتدائی دَور میں ہی شائع و ذائع ہو چکے تھے اور ان فیصلوں پر لوگ عباسی اقتدار سے قبل بھی عمل کرتے رہے تھے۔ مختلف مسلکوں میں امتیاز بیشک عباسیوں کے ابتدائی ایام میں شروع ہوا۔ ان دنوں قرآن و حدیث کا تقریباً ہر معروف و مشہور استاذ ایک جداگانہ مدرسۂ فکر کا قائد سمجھا جاتا تھا، حتیٰ کہ اگر کوئی طالبِ علم ذرا مشہور ہو جاتا تو اس کے دل میں بھی اس طرح کی قیادت کی خواہش کروٹیں لینے لگتی تھی۔ شام میں مکحول اور اوزاعی، مصر و عراق میں سفیان ثوری، ابن ابی لیلیٰ، حسن، زفر، ابن القاسم اور لیث بن سعد اور بہت سے دوسرے علماء اپنے اپنے علیحدہ مذاہب کے بانی شمار ہوتے تھے۔

معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے سب سے پہلے اپنے حلقہ میں مناظرہ کو ایک طریقۂ تدریس کے طور پر متعارف کرایا۔ کچھ دنوں میں یہ نیا طریقہ ترقی کر کے ایک باقاعدہ نظام بن گیا اور بڑے بڑے مشاہیر علماء نے اسے قبولیت کی نظروں سے دیکھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس طریقہ کا ابتدائی خاکہ ہم شورائی نظام میں معلوم کر سکتے ہیں جس کی بنیاد باہمی مشاورت پر ہوتی تھی۔ استاد کی موجودگی میں مناظرہ کرنا بھی ایک طرح کا باہمی مشورہ ہی ہوتا تھا جو آخر کار کسی صحیح اور متفقہ فیصلہ تک پہنچا دیتا تھا۔ ایسی صورت میں جب طویل اور مسلسل بحث و مباحثہ کسی فیصلہ پر منتج نہ ہوتا تو اُستاد خود مداخلت کیا کرتا تھا اور اپنے معقول دلائل و براہین کے ذریعے کسی فیصلہ تک پہنچنے میں طلبہ کی رہنمائی کرتا تھا۔ تاہم کبھی کبھی استاد کے دلائل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی اعتراض کیا جاتا اور ان کی رائے ناقابلِ قبول قرار پاتی۔ چنانچہ بہت سی صورتوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ
سف اور امام محمد الشیبانی نے متفقہ طور پر یا علیحدہ علیحدہ امام ابوحنیفہ کی آراء سے اختلاف کیا ہے۔
امام شافعی بھی اپنے استاذ امام محمد الشیبانی سے بحث کرتے اور ان سے اختلاف کرتے ہیں، یہ بھی
کی ایک قسم ہے جس کا کتاب الام اور تاریخ بغداد (جلد دوم صفحات ۱۷۲ - ۱۸۲) میں بارہا تذکرہ
لیکن مؤلف نے حقیقت سے چشم پوشی کرتے ہوئے کسی قدر بھونڈے انداز میں اس مناظرہ کا ذکر کیا ہے،
ہیں،

حنفی مدرسۂ فکر نے نہ صرف اسے (مناظرہ کو) دوسرے مدارس فکر کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک جائز
ذریعے کے طور پر تسلیم کیا بلکہ اپنے تعلیمی نظاموں میں بھی مناظرہ کو بطور ایک ذریعۂ تعلیم کے اپنا لیا (صفحہ ۷۰)
چونکہ تقریری علمی مقابلے اس زمانے میں علماء و فضلاء کے مابین عام ہو گئے جو بعض اوقات باہمی تکرار
کلامی پر ختم ہوتے تھے اس لئے علماء نے اس طرح کے مباحثے منعقد کرنے کے لئے کچھ قواعد و ضوابط وضع
۔ اس طرح مناظرہ بعد میں ایک باقاعدہ فن بن گیا اور علم المناظرہ کہلایا۔

مؤلف کا یہ بیان (صفحہ ۸۷) کہ ایک ملازمہ نے اپنے آقا کے خطبات کے مسودات میں کچھ تصحیح کی
یخ بغداد میں نہیں ملتا۔ اسی طرح چند دوسرے حوالوں میں بھی بعض غلطیاں رہ گئی ہیں (مثال کے طور پر
والوں کو دیکھئے: ۷، ۲۰، ۱۲۳ - ۳، ۱۰۷ - ۴، ۱۲ - ۲۱۰۰ - ۲، ۲۶۶، ۲۶۷)۔

غلطی کرنا انسان کی فطرت ہے اور بعض اوقات بڑے بڑے ماہرین فن اپنے بیانات میں غلطی کر
تے ہیں، لیکن اس طرح کی غلطیوں سے ان کے وقار اور ان کی علمی حیثیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ مصنف
بیان کردہ واقعہ مشہور محدث احمد ابن سلیمان سے متعلق ہے، انھوں نے درس دیتے وقت کسی لفظ کو قواعد
رو سے غلط پڑھ دیا تھا، حاضرین میں سے ایک شخص نے کچھ نامناسب طریقے سے ان کی اصلاح کر دی،
ب وہ املا ختم کر چکے تو انھوں نے ایک شخص سے کہا کہ وہ ان کا خیال رکھا کرے، پھر انھوں نے بلال ابن العلی
رقی کے یہ اشعار پڑھے:

سیبلی لسان کان یعرب لفظہ　　　فیا لیتہ فی موقف العرض یسلم
وما ینفع الاعراب ان لم یکن تقی　　　وما ضر ذا التقوی لسان معجم

"فصیح و بلیغ گفتگو کرنے والی ہر زبان بہت جلد بوسیدہ ہو جائے گی، کاش وہ عمل نامہ پیش ہونے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر لغزشوں سے سلامت رہے، عدم تقویٰ کی صورت میں درست اعراب پڑھنا کسی کام نہیں آسکتا۔ اور زبان کی لکنت کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

ظاہر ہے کہ ایک معلم سے اگر ایک آدھ مرتبہ غلطی ہو جائے تو اس کی عزت و احترام میں کوئی فرق نہ (ص ۹۰)۔ اسی طرح اگر دو ایک نادر واقعات اس قسم کے ملتے ہیں تو ان کو ایک عادت نہ سمجھ لینا چاہیئے، ا کے نادر واقعات پر غور کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ ان واقعات سے معلمین کی اس احتیاط کا اندازہ ہوتا جسے وہ پڑھاتے وقت ممکنہ شکوک و شبہات سے بچنے کے لئے برتتے تھے (ص ۹۲)۔

"ایک معلم کے درس میں بے ریش طلبہ کو آنے کی اجازت نہ تھی (۴ - ۲۰۱)۔ ایک دوسرے معلم کے س خوش رو لڑکوں کا آنا ممنوع تھا" (۵ - ۲۲۰)

مذکورہ بیانات کی بنیاد ان حوالوں پر ہے جو صفحہ ۹۱ پر نمبر ۷ کے تحت دیئے گئے ہیں۔ لیکن یہ حوالے محو کے مطابق معلوم نہیں ہوتے (دیکھئے صفحہ ۹۱)۔ اس لئے کہ مذکورہ حوالہ سے صرف یہ پتا چلتا ہے کہ وہ معلم اپنی کے ذریعے حاضر طلبہ کی صحیح تعداد معلوم کرتے تھے، اگر یہ تعداد حاضر طلبہ کی حقیقی تعداد کے مطابق ہوتی تو سبق جاری رکھتے ورنہ رخصت کر دیتے۔ ایک موقعہ پر ایک ممتاز طالب علم خود کو شمار کرنا بھول گیا اور کو پتا چلا کہ طلبہ بیان کردہ تعداد سے زیادہ ہیں۔ اس لئے انھوں نے یہ فرض کر کے کہ وہ راست گوئی سے نہیں لیتے سبق پڑھانے سے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ یہ لوگ فرمان رسولؐ حاصل کرنے کے لائق نہیں ہیں۔ ایک حوالہ (۴۰۸ - ۴۰۷ = ۹) کے مطابق ایک استاد صرف ایک ایک طالب علم کو پڑھاتا تھا اور پوچھنے پر بتائی کہ حدیث پڑھنے والے طلبہ کم سلیقہ ہوتے ہیں اور جب حدیث سننے کے لئے جمع ہوتے ہیں تو آپس میں شور شروع کر دیتے ہیں، اور میں اس کو برداشت نہیں کر سکتا۔

بہر حال ڈاکٹر منیر الدین احمد قابل مبارکباد ہیں کہ انھوں نے انگریزی میں غالباً پہلی مرتبہ تاریخ بغداد کی روشنی میں پانچویں صدی ہجری تک مسلمانوں کی تعلیمی اور علماء کی سماجی حیثیت کو واضح کرنے کے لئے یہ عمدہ کتاب شائع کی۔ دیباچہ، کتابیات، فہرست مجلات اور اشاریہ کے علاوہ کتاب تین حصوں میں منقسم ہے۔

پہلا حصہ جو ۲۴ صفحات پر مشتمل ہے کتاب کا مقدمہ ہے جس میں تاریخ بغداد اور اس کے مصنف او اہل حدیث میں مشاہیر کے تواریس کی اہمیت سے بحث کی گئی ہے۔

دوسرا حصہ (صفحہ ۲۵ تا ۱۹۳) اسلام میں تعلیم کی اہمیت اور نظامات تعلیم سے بحث کرتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابتدائی اور اعلیٰ تعلیم، کلاسوں کی تنظیم، جماعتوں کا طریقہ، اسلوب تعلیم، وہ مقامات جہاں درس باتے تھے اور خود طلباء اور اساتذہ کے متعلق تفصیلی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

یسرا حصہ (صفحہ ۱۹۴ تا ۲۵۴) علماء کی سماجی حیثیت سے بحث کرتا ہے، اور معاشرہ کے درجات ت، عوام، دوسرے علماء اور خود حکومت کے ساتھ علماء کے تعلقات اور علماء کی مالی حیثیت پر بھی نی ڈالتا ہے۔

کتاب میں طباعت کی چند غلطیاں رہ گئی ہیں، امید ہے کہ طبع دوم میں ان کی گنجائش نہیں ے گی۔

اسلامی ثقافت اور اسلامی تعلیم سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے یہ کتاب نہایت بیش بہا بکار آمد ہے۔

(محمد صغیر حسن معصومی)

○

ہر اک فکر، اس کے سوا بے ثبات
مسلماں کی اس میں ہے مضمر حیات
کہ قائم ہو قرآں کی روشنی میں
نظامِ صلوٰۃ و نظامِ زکوٰۃ

(انوار صولت)

Accession number
3961
Date 23.1.81
Ab.

© rasailojaraid.com